صنعت تلمیح کی شاعری میں اہمیت

شگفتہ خورشید
سینئر ماہر مضمون (اردو)
گورنمنٹ گرلز ہائر سیکنڈری سکول، راجہ جنگ، قصور

STATUS OF ALLUSION IN POETRY

Shagufta Khursheed
Senior Subject Specialist (Urdu)
Govt. Girls Higher Secondary School, Raja Jang, Kasur

Abstract

Poets often use some special words to denote historical facts or personalities in their verse. Such special word is termed as Talmeeh/Allusion. It has great value owing to word economy of the poetry. It is therefore commonly used in poetry of every language. Urdu poets too have been and still employing this term in their poetic expression. This article focuses tradition and importance of Allusion in Urdu poetry besides incorporating its specimens from great poets of Urdu language.

Keywords

حضرت علیؓ، میر تقی میر، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، صنعت، تلمیح، شاعری، تصوف، فلسفہ

شاعری ایجاز واختصار سے ہی مزین ہے اور تفصیل کی متحمل نہیں ہوسکتی۔اس کا حسن ورعنائی رمزو کنایہ میں پنہاں ہے۔یہی وجہ ہے کہ شعرا کے ہاں عشق مجازی ہو یا عشق حقیقی ،محبوب کے سراپے کا اظہار ہو یا عاشق کی بے بسی اور صحرا نوردی کا بیان ،تصوف وفلسفہ کے تصورات ہوں یا مے ومستیاں ، ہر خیال اور مضمون کے لیے تلمیحات کا استعمال ہوتا رہا ہے۔اس صنعت نے کلام کو چار چاند لگا دیے ہیں۔تلمیحات کا استعمال شعرا کے ہاں وسائل اظہار کو بہت موثر بنا تا ہے۔گو یا لفظوں میں ایک جادو پوشیدہ ہے جس کے اندر وسیع دنیا موجود ہے قاری تھوڑی سی توجہ سے اس دور اور اس کہانی تک رسائی حاصل کر لیتا ہے جس کے لیے وہ لفظ وضع کیے گئے تھے۔مثلاً میر تقی میرؔ کا شعر پڑھ کر دل کی بربادی کا منظر، روہیلہ قادر کے ہاتھوں بادشاہ عالم کی کہانی سامنے آجاتی ہے۔

دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے　　　یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا
شہاں کہ کحل جواہر تھی خاک پا جن کی　　　انہی کی آنکھوں میں پھرتی سلائیاں دیکھیں

ڈاکٹر مظہر احمد تلمیحات کی اہمیت کو یوں بیان کرتے ہیں:

''تلمیح کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مطالب کی ادائیگی کے فرائض انجام دیتی ہے۔تلمیحی الفاظ کے استعمال سے ان کے پس پشت طول طویل قصے اور دیگر تفصیلات ازخود قارئین کے روبرو آجاتی ہیں اور اس طرح کلام میں بلاغت اور یجاز واختصار کی خصوصیات درآتی ہیں اور یہ خصوصیات ہیں کہ جن کی بدولت کلام میں جوش اور مفاہیم میں تاثیر پیدا ہوجاتی ہے۔خصوصاً شاعری میں تاریخی واقعہ،فرد، مقام رسم ورواج، قصے کہانیوں کے کسی خاص پہلو یا جز یا صورت کو تخلیقی سطح پر استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے نا صرف شعر میں حسن پیدا ہوتا ہے بلکہ اس سے شعر کی ترسیل آسان ہوجاتی ہے اور معنوی جہتوں میں بعض اوقات بے پناہ اضافہ بھی ہوجاتا ہے۔'' (۱)

ابتدائی دور کا انسان اپنے خیالات وجذبات کے اظہار کے لیے لمبے لمبے جملوں کو استعمال کرتا تھا۔ انسان کے خیالات میں وسعت آئی ، جملے سکڑنے لگے، زبان میں اختصار آتا گیا۔اشاروں، کنایوں میں بات کا ڈھنگ انسان نے سیکھ لیا، انسان کی ترقی کی راہیں کھلتی گئیں۔زبان کی ترقی کے ساتھ ساتھ زبان میں طوالت کے بجائے اختصار آنے لگا۔اس کا بین ثبوت یہ ہے پہلے داستان گوئی کا رواج تھا۔جوں جوں زبان ترقی کرتی گئی توں توں نئے الفاظ جن میں معانی کی ایک دنیا پوشیدہ تھی ، زبان میں داخل ہوتے گئے۔شاعری میں تراکیب،محاورے،ضرب الامثال کو رواج ملا، زبان کی ترقی کا سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ چند لفظوں میں ایک کہانی پوشیدہ نظر آنے لگی۔جب ایک لفظ یا چند لفظوں میں کسی واقعے یا کہانی ،قرآنی آیت،احادیث کی طرف

اشارہ ملے تو اس کو ''تلمیح'' کہا جاتا ہے۔ یہ الفاظ جنھیں اصطلاحاً تلمیح کہا جاتا ہے اس سے پورا واقعہ پڑھنے والے کی سمجھ میں آجاتا ہے۔ یہ اپنے اندر سمندر کی سی وسعت رکھتا ہے۔ وفا یزدان منش تحریر کرتی ہیں:

''تلمیح اگرچہ بظاہر ایک ہی لفظ ہے لیکن اس کہ تہہ میں کافی باتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ تلمیح کا پس منظر ایک کہانی، ایک واقعہ یا ایک حکایت ہے۔ اس کہانی کو جاننا چاہیے۔ اکثر ان حکایات کی تفصیل نثر متون میں پائی جاتی ہے۔ شاعر تلمیحات سے بڑا فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس سے شاعر اپنی طویل بات کو ایک ہی لفظ میں بتاتا ہے۔ جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ غزل کی سب سے اہم خصوصیت ہے، مختصر ہونا۔ اسی طرح تلمیح کے استعمال سے غزل ایجاز کا رنگ اختیار کرتی ہے۔ تلمیح سارے شعر کی جان ہے۔''(۲)

ہر انسان کی یہ فطری تمنا اور آرزو ہوتی ہے کہ اس کی بات اور گفتگو و بیان اتنی پرتاثیر ہو کہ سامع اس سے پوری طرح متاثر ہو۔ اس مقصد کے پیش نظر وہ مختلف طریقے اپنا کر اپنی بات کو متاثر بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ تلمیح تاثیر کے ساتھ ساتھ اتنی دلکشی لیے ہوتی ہے کہ اس کے حسن سے مسحور ہوئے بغیر چارا نہیں۔ ایک لفظ کے ذریعے شعرا اپنے کلام کو خوبصورتی کے ساتھ ساتھ پورا واقعہ ذہن نشین کرا دیتے ہیں۔ گویا تلمیح ایک اعجاز کا درجہ رکھتی ہے۔ صرف ایک لفظ یا مرکب کے استعمال سے ہی پورا واقعہ یا کہانی بیان کر دی جاتی ہے۔ تلمیح کا شعر و شاعری میں برتنا بہت اہم ہے۔ تلمیح کے اندر معانی کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہوتا ہے:

عربی کا مقولہ ہے خَیْرَ الْکَلَامِ مَاقَلَّ وَدَلَّ (۳)

یعنی بہترین جامع و مانع کلام وہ ہے جو مختصر اور مدلل ہو۔

اسی طرح حضرت علی کا فرمان ہے:

''جب عقل کامل ہو جائے تو کلام مختصر ہو جاتا ہے'' (۴)

اس اختصار کی مثال ہم ''سورۃ اخلاص'' سے بھی دے سکتے ہیں۔ ایک مختصر سورۃ میں پورے عقیدہ توحید کی جامعت موجود ہے۔ تلمیح کے ذریعے شاعر خیالات کی بلندیوں تک ایسے ہی پہنچ جاتا ہے جیسے شاعر پہلی سیڑھی پر تھا اور تلمیح اسے ہاتھ پکڑ کر آخری سیڑھی تک لے جاتی ہے۔ سروش شمیسا نے شاعری میں تلمیحات کے چھے مقاصد بیان کیے ہیں:

''۱۔ شاعری کی خبر کو رفعت دینا یا شعری زبان کو پیدا کرنا

۲۔ اعزاق　　　۳۔ تاریخی واقعات کا اشارہ

۴۔ ایجاز　　　۵۔ معنی آفرینی

۶۔ تمثیل و رمزی زبان کی تخلیق''(۵)

تلمیح میں ایک اضافی وصف یہ ہے کہ اس میں تمام صنائع شامل ہیں تشبیہ، استعارہ، تراکیب اس کے اندر سما جاتے ہیں۔ ایک تلمیحی لفظ کے ذریعے پورا شعر کبھی استعارے، کبھی تشبیہ اور کبھی علامت کے پیکر میں ڈھل جاتا ہے۔ مثلاً پیر کنعاں ایک ترکیب ہے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔ روئے مریم میں حضرت مریمؑ تلمیح ہے اور یہ ایک ترکیب بھی ہے۔ اسی طرح تلمیح اور کنایہ کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ کنایہ میں پوشیدہ بات ہوتی ہے اور تلمیح میں بھی، غالب کا یہ شعر دیکھیں:

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز　　　　پھر ترا وقت سفر یاد آیا

اس میں کنایہ بھی ہے اور لفظ قیامت ''تلمیح'' ہے جو ایک واقعہ ہے جو دنیا ختم ہونے پر برپا ہوگا۔

شاعری میں ایک ایک لفظ اس تصور اور واقعہ کی طرف لے جاتا ہے جس کے لیے شاعر اسے استعمال کرتا ہے، لفظوں میں تصور کی ایک دنیا آباد ہوتی ہے۔ تلمیحات شعر و ادب میں ادبی ورثہ کی حیثیت رکھتی ہیں جن کا زبان و ادب میں استعمال نئی نسل کو ادبی ورثہ سے متعارف کروانے میں اہمیت کی حامل ہیں۔ یہ تلمیحات، مذہبی، تاریخی اور نیم تاریخی معلومات کا ایک قیمتی سرمایہ ہے۔ مذہبی تلمیحات میں مذہب اسلام اور دیگر مذاہب سے متعلق معلومات بہم پہنچتی ہیں، جن سے نئی نسل مستفید ہو سکتی ہے۔ انبیاء کرامؑ، ان کے معجزات، قدیم قوموں کی کہانیاں مختصر الفاظ میں شعرا بیان کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح عشقیہ تلمیحات کے استعمال سے شعرا نے اپنی شاعری کو چار چاند لگائے ہیں۔ ہماری شاری کا دامن تلمیحات سے مالا مال ہے۔ تلمیحات کو شعرا نے فنی چابک دستی اور کمال مہارت سے، استعارے، علامت اور تشبیہی پیرایوں میں استعمال کیا ہے۔

شعرا تلمیحوں کو نئے مفاہیم بھی پہناتے رہے ہیں اس کی وجہ تہذیبی، معاشرتی تبدیلیاں ہیں۔ اس طرح یہ تلمیحات، ماضی، حال اور مستقبل کی صحیح عکاس ہیں۔ گویا ہر زمانے میں ایک تلمیح نئے مطالب و مفاہیم کے اظہار کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ولی سے لے کر اقبال تک اور ان کے بعد آنے والے شعرا نے تلمیحات کو نئے مفاہیم میں اپنی شاعری میں برتا ہے۔ محمود نیازی تلمیحات کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''انسانی زندگی، اخلاق اور انسانی معاشرے کے اس قدر پہلو ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ ہر پہلو کے لیے ایک نمونہ ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ فلاں انسان اس قسم کی زندگی بسر کرتا ہے۔ فلاں آدمی میں اس قسم کے اخلاق موجود ہیں مگر یہ ضروری نہیں کہ ہماری گزشتہ تاریخ میں بھی کوئی نمونہ ایسا موجود ہو۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اس خاص نمونہ کے انسان کی صحیح تصویر قصے کے پیرائے میں کھینچیں پھر دیگر مصنفین جب اسی نمونہ کے اشخاص کا ذکر کریں تو قصہ کے نمونے کو تلمیح بنا کر اس سے کام لیں۔'' (۶)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری ''اردو تدریس'' میں رقمطراز ہیں:

''شعروادب کی زبان میں کنایہ، تلمیح اور بعض اصطلاحات سے بھی اکثر کام لیا جاتا ہے۔ یہ چیزیں کلام میں اختصار وایجاز کے ساتھ حسن وتاثیر بھی پیدا کرتی ہیں'' (۷)

ہر زبان میں تلمیحات کا وافر ذخیرہ اس کے شعر و ادب میں موجود ہے ۔ اردو شاعری کا دامن تلمیحات کے سلسلے میں دیگر زبانوں کی بہ نسبت بہت وسیع ہے۔اردو کئی زبانوں کا تہذیبی مزاج اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے زیادہ روایتوں، تہذیبوں اور دیو مالاؤں سے فیض لیا ہے اور اپنے تجربات سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ اردو زبان نے فارسی کے زیر اثر ترقی کی منازل طے کی ہیں، جس کی وجہ سے فارسی تلمیحات کا اردو میں رچ بس جانا ایک فطری عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے شعرا کے ہاں ایرانی و یونانی قصے، کہانیاں، بکثرت ملتی ہیں۔ ہندوستان کی تہذیب بھی اس میں رچی بسی ہوئی ہے اس کی تلمیحات بھی شاعری کے دامن کو وسعت بخشتی ہیں۔ تاریخ اسلام سے متعلق تلمیحات ہمارے شعرا کی دلچسپی کا مرکز ہیں۔ خاص کر قصص الانبیاء کے حوالے سے قرآن پاک ایک اہم ماخذ ہے۔ آدم وحوا، جبرائیل، نوحؑ، یوسفؑ، ابراہیمؑ، زلیخا، یعقوبؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ، موسیٰؑ، خضر، عیسیٰؑ، مریمؑ اس کے علاوہ کربلا، حسینؓ وغیرہ کو شعرا نے اپنی شاعری کا حصہ بنایا ہے۔

ایرانی وفارسی تلمیحات جو ہمارے شعرا اپنے کلام میں استعمال کرتے ہیں، ان میں مشہور یہ ہیں:

رستم وسہراب، سکندر و دارا، جمشید و پرویز، فرہاد، کوہ کن، شیریں وغیرہ۔ ان تلمیحات سے شعرا نے اپنے کلام کو مزین کیا ہے۔ ایک شاعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ ماضی کے حالات وواقعات پر گہری نظر رکھتا ہو تاکہ وہ شاعری میں تلمیحات استعمال کرے تو اس کی کہانی اسے معلوم ہو۔ ماضی سے گہرا ناتا اس کی تلمیحات میں وسعت ونکھار پیدا کرسکتا ہے۔ تلمیح کسی قوم، ملک کی تاریخ کی علامتیں اور استعارے، کنایے کی حیثیت رکھتی ہیں جن کی مدد سے اختصار کے ساتھ ماضی اور تاریخ کا سراغ ملتا ہے ۔ مزید براں کسی فن پارے کی تلمیحات کے مطالعے سے اس ادب کی تاریخی وسماجی روایات کی تصویر ہماری آنکھوں میں سفر کرنے لگتی ہے۔ تلمیح کی وجہ سے کسی زبان میں بلاغت پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی زبان میں تلمیحات کا کم ہونا یا نہ ہونا اس زبان کا عیب شمار ہوتا ہے اور اس زبان کی کم مائیگی کی علامت ہے۔ اردو زبان اس ذخیرے سے مالا مال ہے۔

ابتدا میں واقعات وحالات کو تصاویر میں ظاہر کیا جاتا تھا۔ خواہ آج ہم اسے شاعرانہ تلمیح کا نام نہ بھی دیں، اصل میں وہ تلمیح ہی تھی۔ اسی طرح جب حروف ایجاد ہوئے ہر حرف سے کوئی نہ کوئی تلمیح وابستہ کر لی گئی۔ مثلاً ''الف'' کے لیے بیل کا کھونٹا اور سینگ مراد لیے جاتے تھے۔ ''ب'' کی شکل کسی گھر کا احاطہ مراد لیا گیا اور ''ج'' اونٹ کا سر ظاہر کرتا تھا۔ اسی طرح تمام حروف تہجی کے پیچھے ایک واقعہ اور کہانی چھپی ہوئی تھی۔ لفظ وجود

میں آئے تو ان کے تلفظ سے کئی واقعات جڑنے لگے۔ سید شمیم انہونوی کہتے ہیں:

''مثلاً ایک چھوٹا سا پودا ہوتا ہے جس کی پتیاں چھونے سے مرجھا جاتی ہیں اور اسی چھونے اور مرجھانے کی وجہ سے اس کا نام ہی چھوئی موئی ہو گیا۔'' (۸)

ہمارے تمام کلاسیکی شعرا و ادبا نے تلمیح کو استعمال کیا ہے۔ ہر شاعر نے اپنی شاعری کو اس اصطلاح سے مزین کیا ہے۔ تلمیح شاعری کی روح ہے جو اسے بلند پروازی عطا کرتی ہے، تو کوئی شاعر اس سے کیونکر کنارہ کش رہ سکتا ہے۔ تلمیح کی روایت میں جن شعرا نے نمایاں کردار ادا کیا ہے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے:

ولی دکنی ''جمال دوست'' شاعر ہیں انھوں نے اپنی شاعری کو تلمیح کا ذائقہ بھی عطا کیا ہے۔ ان کے کلام میں اسلامی اور تاریخی تلمیحات ملتی ہیں۔ حشر، چشمہ کوثر، پیرہن یوسف، جنت وغیرہ اس کے علاوہ انھوں نے ہندی رسوم سے اخذ شدہ تلمیحات کو بھی برتا ہے۔ ستی، شمشان گھاٹ وغیرہ۔

مرزا محمد رفیع سودا عہد زریں کے شاعر جو قصائد کو بام عروج بخشنے والے ہیں انھوں نے بھی اپنی شاعری میں تلمیحات کو استعمال کر کے اسے اجیارا بخشا ہے۔ جام جم، بید مجنوں، وامق و مجنوں، شیخ و صنم وغیرہ تلمیحات برتی ہیں نمونہ دیکھئے:

ٹک دیکھ صنم خانہ عشق آں کے اے شیخ ۔۔۔ جوں شمع حرم رنگ جھمکتا ہے بتان کا
دکھلائے لے جا کے مجھے مصر کا بازار ۔۔۔ لیکن نہیں خواہاں کوئی واں جنس گراں کا
دلا دریائے رحمت قطرہ ہی آب محمدؐ کا ۔۔۔ جو چاہے پاک ہو پیرو ہوا صحاب محمدؐ کا
محمد علم کا گھر ہے علی اوس کا ہے دروازہ ۔۔۔ غلام اس کا ہو تو کلب ہو باب محمدؐ کا
ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا ۔۔۔ موسیٰ نہیں کہ سیر کروں کوہِ طور کا
عشق وہ گھر ہے جہاں ہفتاد دو ملت کو راہ ۔۔۔ تنگ جوں دیر و حرم کب در ہے اس درگاہ کا (۹)

خواجہ میر درد صوفی شاعر ہیں۔ ان کے کلام میں شستگی و سادگی پائی جاتی ہے۔ ان کی شاعری میں صوفیانہ رنگ بہت گہرا ہے۔ انھوں نے بھی اپنے اشعار کو تلمیح سے چمکایا ہے۔ مسیحائی، شیخ و کعبہ، آدم، مجنوں، کوہ کن، دم عیسیٰ، جام جم جیسی تلمیحات سے اپنی شاعری کو روشن کیا ہے۔ ان کے علاوہ اردو شعر و ادب میں نمایاں تلمیح نگار میر تقی میر، خواجہ حیدر علی آتش، مرزا اسد اللہ خاں غالب، مولانا الطاف حسین حالی، جوش ملیح آبادی، علامہ اقبال، ن م راشد، مجید امجد اور عبدالعزیز خالد وغیرہ اہم ہیں۔

میر تقی میر کی شاعری میں سادگی اور خلوص، درد مندی، خوبصورت تشبیہات، غنایت و موسیقی، صوفیانہ رنگ، فلسفیانہ اور حکیمانہ افکار کے ساتھ ساتھ سوز و گداز پایا جاتا ہے۔ جس کے باعث انھیں ''شاعر غم'' بھی کہا جاتا ہے۔ مضامین کی جدت، نازک خیالیاں ان کے کلام کا حصہ ہیں۔ ان کے ہاں مایوسی اور غم کے

عناصر اس کثرت سے پائے جاتے ہیں کہ انھیں بعض لوگ قنوطی شاعر بھی کہتے ہیں۔ میر نے تلمیح جیسی اہم صنعت کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ ان کے کلام میں مذہبی، تاریخی اور روایتی تلمیحات کثرت سے ملتی ہیں۔ نمونہ:

کفر کچھ چاہیے اسلام کی رونق کے لیے حسن زنار ہے تسبیح سلیمانی کا
غیرت یوسف ہے یہ وقت عزیز میر اس کو رایگاں کھوتا ہے کیا
کیا پانی کے مول آ کر مالک نے ہے گھر بیچا ہے سخت گراں، سستا یوسف کا بکا جانا
نہ دیوانے تھے ہم سے قیس و فرہاد ہمارا طور عشق ان سے جدا تھا
عام ہے یار کی تجلی میرؔ خاص موسیٰ و کوہِ طور نہیں
کبھو وادی عشق دکھلایئے بہت خضر بھی دل میں گم راہ ہیں
آبِ حیات وہی نہ جس پہ خضر وسکندر مرتے رہے خاک سے ہم نے بھرا وہ چشمہ یہ بھی ہماری ہمت ہے(۱۰)

خواجہ حیدر علی آتش کی شاعری میں دبستان لکھنؤ اور دبستان دہلی کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ مصحفی کے شاگرد تھے۔ آپ کے مزاج میں انکساری، توکل بے نیازی پائی جاتی تھی۔ قلندرانہ روش اپنائے ہوئے تھے ان کا لب ولہجہ رجائی اور نشاطیہ تھا۔ آتش اردو شعرا میں اہم مقام و مرتبہ کے حامل ہیں۔ ان کی شاعری میں بہترین استعارے، پروقار تشبیہات، اعلیٰ اور منفرد تراکیب کا وافر ذخیرہ شامل ہے۔ آتش کی شاعری کی بنیادی خصوصیات میں سرود ونشاط، خوشی وانبساط اور فرحت ومسرت کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ وہ پرامید مستقبل اور درخشاں وخوش گوار انجام کا تصور دیتے ہیں۔ وہ بہتر سے بہتر کی تلاش اور توقع کے قائل ہیں۔ وہ پہلے شاعر ہیں جن کے ہاں زندگی کے متعلق اثباتی نقطہ نظر پایا جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں رجائیت کا عنصر غالب ہے۔ جدت، اخلاص، قلندرانہ مزاج ان کے کلام سے جھلکتا نظر آتا ہے۔ ان کی شاعری میں اضطراب، تڑپ اور ایک تحرک پایا جاتا ہے۔ ان کے کلام میں تصوف، رفعت خیال، تشبیہات اور استعارات کے حسین عناصر پائے جاتے ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر ان کی تلمیحات نے ان کے کلام کو وہ بلندی عطا کی ہے کہ ان کا کلام زندہ وجاوید رہے گا۔ ڈاکٹر عبدالغفار کوکب، ''تلمیحاتِ آتش'' میں لکھتے ہیں:

> ''لکھنؤ دبستانِ شاعری کا یہ ستارہ بظاہر ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا، لیکن جب تک اردو زبان کے چاہنے والے موجود ہیں (انشااللہ قیامت تک موجود رہیں گے) آتش کا نام اور کلام نظر انداز کیا جا سکتا اور نہ بھلایا جا سکتا ہے۔ آتش کی شاعری کا جب جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں محاورات، استعارے اور تلمیحات کی قوس قزح آسمان ادب پر سماں باندھتی نظر آتی ہے۔''(۱۱)

مرزا اسداللہ خاں غالب آسمان شاعری کے درخشاں ستارے ہیں جن کی ضو سے پورے ایوان شاعری میں چمک دمک ہے۔ برصغیر کے اردو شاعروں میں سب سے بلند درجہ پر فائز ہیں۔ پیدائشی شاعر تھے۔

ان کے کلام میں جدت، تنوع، گہرائی و گیرائی، بلند خیالی تھی۔ اگر چہ انھوں نے نثر اور نظم، قصائد، مثنوی میں طبع آزمائی کی تاہم غزل کے استاد مانے جاتے ہیں، یوں کہیے کہ غزل کہنا ان پر ختم تھا۔ نازک خیالی، تخیل کی بلند پروازی میں آپ کا ثانی نہیں۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ عموماً شعرا کا کلام زمانے کی روش کے مطابق ہوتا ہے جہاں ان کے شب و روز گزرتے ہیں۔ جب وہ زمانہ بیت جاتا ہے تو کلام بے وقعت ہو جاتا ہے۔ شاذ و نادر ہی ایسے شاعر گزرے ہیں جن کا کلام سالہا سال کے بعد بھی لوگوں کے دل و دماغ میں زندہ رہتا ہے۔ یہ خوبی جن بڑے شعرا کا مقدر بنی ان میں مرزا غالب بھی ایک ہیں۔ وہ ایک ذہین شخص تھے۔ غالب کی شاعرانہ عظمت کے سبھی معترف ہیں۔ ان کی نکتہ آفرینی، تشبیہات و استعارات اور فارسی محاورات، تراکیب تک عام قاری کی رسائی محال ہے، جب تک وہ تمام اصطلاحات سے واقف نہ ہو۔ غالب کی شاعری کے متعدد پہلو ہیں۔ ان کا احاطہ کرتے ہوئے عام قاری تو کیا سنجیدہ قاری بھی بعض اوقات سوچ میں پڑ جاتا ہے۔ غالب نے جہاں بہت سی دوسری صنعتوں کو بڑی عمدگی سے برتا ہے وہاں ان کی تلمیحات بھی ان کی شاعری کو چار چاند لگاتی نظر آتی ہیں۔ ان کی تلمیحات اچھوتے معانی کی حامل ہیں جس سے ان کا شاعرانہ اسلوب اور فلسفہ جھلکتا ہے۔ ان کی شاعری میں تلمیحات کا ایک وافر ذخیرہ ہے۔ محمود نیازی لکھتے ہیں:

> ''مرزا صاحب نے بھی دوسرے شعراء کی مانند کلام میں تلمیحات کا استعمال کیا ہے لیکن ان کی تلمیحات بھی ان کے خصوصی لب و لہجہ اور فلسفیانہ شاعری سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ اگر ان تلمیحات سے متعلق قصوں سے واقفیت نہ ہو تو ان کے کلام کا حقیقی لطف اٹھانا مشکل ہے۔''(۱۲)

غالب کی تلمیحات اسلامی، تاریخی، اساطیری روایات سے اخذ شدہ ہیں۔ انھوں نے بہت نایاب اور کم مستعمل تشبیہات کو بھی اپنی شاعری کا حصہ بنایا ہے اور منفرد مقام حاصل کیا ہے۔ مثال:

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا ۔۔۔ کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا(۱۳)

کاوِ کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ ۔۔۔ صبح کرنا شام کا، لانا ہے جوئے شیر کا(۱۴)

علامہ اقبال ایک قومی شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سچے مسلمان تھے۔ ان کے سینے میں اسلام کی روح موجزن تھی۔ ان کے فلسفیانہ تصورات کی بنیاد بھی اسلامی تصورات اور تلمیحات پر ہے۔ ان کے کلام میں کوئی نظریہ ایسا نہیں ہے جو اسلام کی روح کے منافی ہو۔ ان کا فلسفہ خودی مرکزی و بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ ان کی شاعری حکیمانہ عناصر کا احاطہ کرتی ہے۔ اقبال کی تمام شاعری گویا قرآن و حدیث کی تفسیر ہے۔ علامہ اقبال ان شعرا میں سے ہیں جو نہ صرف برصغیر میں بلکہ پوری دنیا میں شہرت دوام حاصل کر چکے ہیں۔ وہ غالب کے بعد اہم ترین شاعر ہیں اور ان کا تخیل بلندیوں کو چھوتا آسمان شاعری پر پرواز کرتا نظر آتا ہے۔

علامہ اقبال نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں یکساں مقبولیت حاصل کی۔ وہ اپنی ذات میں خود ایک عہد اور تحریک تھے۔ ان کی شاعری کی نمایاں خصوصیات میں لفظی صنائع کا استعمال، حسین تراکیب، سادگی و لطافت، تغزل، جدت تراکیب، جدت قوافی، جدید تشبیہات و استعارات، تصویر کشی، ترنم و موسیقیت، بلند تخیل، عربی و فارسی الفاظ کا استعمال، علامت نگاری ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تلمیح نگاروں میں علامہ اقبال کا نام بہت بلند ہے۔ علامہ قبال کی شاعری میں جس قدر تلمیحات مستعمل ہیں کسی اور شاعر کے ہاں نہیں۔ لہٰذا یہاں تلمیح کی روایت کے حوالے سے ان کی تلمیحات کا مختصر بیان کیا جائے گا۔ علامہ قبال کی شاعری میں زیادہ تر تلمیحات قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام سے ماخوذ ہیں:

دید سے تسکین پا تا ہے دلِ مہجور بھی ؟
لن ترانی، کہہ رہے ہیں یا وہاں کے طور بھی ؟ (۱۵)

صبح ازل جو حسن ہوا داستان عشق
آوازِ کن، ہوئی تپش آموزِ جانِ عشق (۱۶)

قصہ دار و رسن بازی طفلانہ دل
التجائے ارنی ، سرخی افسانہ دل
حسن کا گنجِ گراں مایہ تجھے جاتا
تو نے فرہاد! نہ کھودا کبھی ویرانہء دل (۱۷)

کنویں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل! جو مطلق تھا مقید کر دیا تو نے (۱۸)

وہی اک حسن ہے، لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
یہ شیریں بھی ہے گویا، ستوں بھی، کوہکن بھی ہے (۱۹)

مجنوں نے شہر چھوڑا تو صحرا بھی چھوڑ دے
نظارے کی ہوس ہو تو لیلیٰ بھی چھوڑ دے (۲۰)

اردو زبان و ادب میں صنعتِ تلمیح کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ تلمیح کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور تلمیح کسی بھی زبان کی شاعری کی آن بان شان ہیں۔ اردو شاعری بھی اس حوالے سے مالا مال ہے۔ تلمیحات کا یہ سلسلہ اردو ادب میں آغاز سے آج تک غیر مختتم نظر آتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ غزل جو ایجاز و اختصار کے بغیر اپنے معانی کھو دیتی ہے اس میں تلمیح کا استعمال بہت اہم ہو جاتا ہے۔ یہ تلمیح کا اعجاز ہے کہ چند الفاظ میں پوری تاریخ سے واقفیت ہو جاتی ہے۔ کسی واقعے کی تفصیل اور متحرک کہانی دل و دماغ میں

سیر کرنے لگتی ہے۔ گویا دریا کو کوزے میں بند کرنے کی صفت سے تلمیح متصف ہے۔ یہ شاعری کی جان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہر زبان کے شعرا نے تلمیحات سے اپنے کلام کو سنوارا اور سجایا ہے۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ تلمیحات اردو شاعری کے لیے جزو لازم ہے۔ یہ شاعری کی مانگ کا سندور ہے جو شاعری کے حسن و جمال میں اضافے کا باعث ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) مظہر احمد، ڈاکٹر، نجمہ رحمانی، ڈاکٹر (مرتب) ''تلمیحات'' دہلی، ایم۔ آر پبلی کیشنز، طبع دوم، ۲۰۱۲ء، ص: ۱۷

(۲) وفا یزدان منش، ڈاکٹر ''اردو غزلیات میں فارسی تلمیحات و تراکیب'' (مقالہ پی ایچ ڈی) مخزونہ، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء، ص: ۶، ۷

(۳) عبدالماجد، مولانا، ندوی ''معلم الانشاء'' حصہ اول، اسلام آباد، مجلس نشریات، شوال ۱۳۷۲ء، ص: ۱۵۰

(۴) محمد بشیر ''مفتاح الانشاء'' حصہ اول، اسلام آباد، دارالعلم، ۲۰ جون ۱۹۹۵ء، ص: ۸

(۵) سروس شمیسا بحوالہ ''فرھنگ تلمیحات'' مشمولہ مقالہ ''اردو غزلیات میں فارسی تلمیحات و تراکیب'' از وفا یزدان منش، مخزونہ، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء، ص: ۴۴

(۶) محمود نیازی، ''تلمیحات غالب'' نئی دہلی، غالب اکیڈمی، ۲۰۰۲ء ص: ۱۳

(۷) فرمان فتح پوری، ڈاکٹر ''اردو تدریس'' لاہور، الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص: ۲۴۹

(۸) محمد شمیم سید، انہونوی (مقدمہ) ''خزانہ تلمیحات'' از محمود نیازی، لاہور، ملک بک ڈپو، اردو بازار، س۔ن، ص: ۱۳

(۹) سودا، محمد رفیع، مرزا، ''کلیات سودا'' لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۷ء، ص: ۲

(۱۰) عبدالحق، مولوی، ''انتخابِ کلام میر'' دہلی، انجمن ترقی اردو، س۔ن، ص: ۲۴۳

(۱۱) عبدالغفار کوکب، ڈاکٹر ''تلمیحات آتش'' لاہور، بیکن بکس ہاؤس، ۲۰۱۱ء، ص: ۹

(۱۲) محمود نیازی، ''تلمیحات غالب'' ص: ۱۳

(۱۳) غالب، اسداللہ خاں، ''دیوان غالب'' کراچی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، س۔ن، ص: ۱۳۔

(۱۴) ایضاً، ص: ۱۳

(۱۵) محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر، ''کلیات اقبال'' لاہور، خالد بک ڈپو، مئی ۲۰۰۹ء، ص: ۵۳

(۱۶) ایضاً، ص: ۶۱ (۱۷) ایضاً، ص: ۸۳ (۱۸) ایضاً، ص: ۹۴

(۱۹) ایضاً، ص: ۹۶ (۲۰) ایضاً، ص: ۱۳۷